رجسٹرڈ انگلشیہ نمبر

رجسٹرڈ آصفیہ نمبر

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

شرح چندہ
سالانہ ...
ششماہی ...
سہ ماہی ...

شرح چندہ
سالانہ ...
ششماہی ...
سہ ماہی ...

قیمت پرانا پرچہ (۴)

قیمت فی پرچہ (۲)

نمبر (۳) | یکم مئی ۱۹۴۳ء شنبہ | ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ | ۲۶ خورداد ۱۳۵۲ف | جلد (۳)

جامعہ عثمانیہ اور حیدرآبادی نوجوان

نشری تقریر جناب مرزا احمد علی بیگ صاحب

علم جو اُن زبانوں میں مقید تھا اس مرکز پر آزاد کیا گیا۔ یہ الفاظ جامعہ عثمانیہ کے ایک بہی خواہ نے لکھے تھے۔ جامعہ عثمانیہ کے متعلق بہت کچھ کہا جا چکا ہے اور جتنا بھی کہا جائے کم ہے۔ کیونکہ اس جامعہ نے تعلیم کے شعبہ میں ایک اجتہادی اقدام کیا اور نوجوانوں کے ذہنوں سے فطری طور پر کام لینے کی کوشش کی۔ حیدرآباد نے جہاں حسن اور [illegible] میں سارے ہندوستان کی قیادت کی ہے۔ اسی طرح تعلیم کے معاملے میں بھی اس کے بنائے ہوئے خطوط پر شاید سارے ہندوستان کی ذہنی تعمیر ہوگی۔

میرے سننے والوں میں جن اصحاب نے اردو ادب کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حیدرآباد اردو کا سب سے پہلا ادبی مرکز رہا ہے۔ اگرچہ اس کے بعد حیدرآباد میں اردو کا وہ چرچا باقی نہیں رہا تھا۔ لیکن جب دہلی اور لکھنؤ میں اردو صرف زبان بولی گئی تھی۔ پنجاب اور حیدرآباد نے اسے سہارا دیا اور اس میں نئے سرے سے جان ڈالی۔ آج پنجاب اگر اردو کا صحافتی اور اشاعتی مرکز ہے تو حیدرآباد اس کا علمی مرکز ہے۔

ابتدائی کوششیں

آپ کو یہ سن کر شاید حیرت ہوگی کہ آج سے کئی سال پہلے ہی سے جب کہ [illegible] کا زمانہ تھا حیدرآباد میں اردو کو علمی زبان بنانے کے تجربے شروع ہو گئے تھے۔ شمس الامراء نے ایک دارالترجمہ قائم کیا تھا جس میں دوسری زبانوں کی تصانیف کو اردو میں منتقل کیا جاتا تھا۔ اسی وقت یہ سمجھا جا چکا تھا کہ اردو میں علمی زبان بننے کی کافی صلاحیتیں موجود ہیں۔ چنانچہ محبوب باغ میں جسے اب عام طور سے باغ عام کہا جاتا ہے ایک عظیم الشان جلسہ ہوا تھا۔ جس کی صدارت پرنس [illegible] نے فرمائی تھی۔ اس جلسے میں ایک ایسے دارالعلوم کے قیام پر غور کیا گیا تھا جس کا ذریعہ تعلیم اردو ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ حالات نے اس تحریک کو صورت پذیر ہونے کا موقع نہ دیا۔ لیکن یہ تحریک دبی نہیں۔ بلکہ حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے اسٹیج سے متواتر یہ آواز گونجتی رہی کہ حیدرآباد کو ایک ایسی [illegible] کی ضرورت ہے جہاں اردو تعلیم کا ذریعہ ہو۔

اس تحریک کا اس طرح زندہ رہنا بالکل وقت کا صحیح تقاضا تھا۔ حیدرآباد والے جانتے تھے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل ملاپ سے جو زبان بنی ہے وہی ایک مشترکہ تہذیب ایک مشترکہ قومیت اور ایک مشترکہ وطن کا ساتھ دے سکتی ہے۔ فارسی مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان میں آئی تھی۔ سنسکرت ہندوستان کے قدیم رہنے والوں کی زبان تھی۔ یہ ممکن نہ تھا کہ باہر سے آنے والے فارسی کو بھول کر یہاں کی زبان سیکھ لیں یا یہاں کے رہنے والے فارسی کو اپنی زبان بنا لیں۔ پھر باہر سے آنے والے گئے بلکہ یہ تھے کہ اردو یہاں کے رہنے والے [illegible] وہ ایک دوسرے میں جذب ہو جائیں۔ اس وقت کے باوجود یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے قریب ہو کر ایک دوسرے سے الگ رہیں۔ بہرحال ایک نئی تہذیب کی ضرورت تھی جو ان دونوں قوموں کے لئے ذریعہ اتحاد بنے۔ چنانچہ تہذیب کو مشترک بنانے میں [illegible] سے حصہ لیا۔ اور اس ہندوستانی تہذیب کی ابتدا ہوئی جس کی حفاظت اب تک حیدرآباد کر رہا ہے۔ اس طرح شاہجہاں کے عہد میں لشکری حلقوں سے وہ زبان نکلی جسے اردو کہتے ہیں اور جو آج سارے ہندوستان کی مشترک زبان ہے۔ غرض یہ کہ حیدرآباد کے دفتروں میں فارسی کی بجائے اردو میں کام ہونے لگا اور رفتہ رفتہ اردو جو صرف ادب [illegible] کا ذریعہ تھی اب علم کا ذریعہ بھی بن گئی اور جیسا کہ میں نے کہا ہے جیسے جیسے اس کی [illegible] کو شہرت ملتی گئی اور اس کی لچک اور وسعت نمایاں ہوتی گئی یہ خیال بھی مستحکم ہو گیا کہ اس زبان کو علمی زبان بننے سے روکا نہیں جا سکتا۔

اب عثمانیہ میڈیکل کالج کے قیام کے بعد جب [illegible] ڈاکٹر نکلے ہیں آپ کو حیرت نہ ہونی چاہیئے۔ جامعہ عثمانیہ کے قیام سے کئی برس پہلے طب کی تعلیم اردو میں ہوتی تھی اور اردو میں تعلیم پائے ہوئے ڈاکٹروں نے اپنی قابلیت کا کافی ثبوت دیا تھا۔ ڈاکٹر نواب [illegible] یار جنگ مرحوم کا نام اب بھی بہت سوں کو معلوم ہے۔ ڈاکٹر نواب شاہ میر جنگ نے بھی اسی اردو کے ذریعہ طب کی تعلیم پائی تھی۔

[illegible] کے ان [illegible] سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد کو تعلیم کے لئے ایک منزل کی تلاش تھی [illegible] شمس [illegible] اور دارالترجمہ کی صورت میں اردو کی [illegible] کانفرنس کی [illegible] ہوئی۔

(بقیہ صفحہ ...)

مملکت
ہفتہ وار

جلد ۳ | ۲۶ خورداد ۱۳۵۵ف | نمبر ۳

حکومت کیا کرنا چاہتی ہے؟

انجمن انسداد قلت و گرانی اجناس کے زیر اہتمام باشندگان حیدرآباد کا جو عظیم الشان جلسہ ریکاچی ہوٹل کے احاطہ میں زیر صدارت نواب کمال یار جنگ بہادر منعقد ہوا اس کی روئداد حکومت اور ارباب فکر کی گہری توجہ کی مستحق ہے۔ قرارداد منظورہ میں حکومت پر کھلے الفاظ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ:۔

"غلہ کے کاروبار میں عدم مداخلت کی موجودہ پالیسی ناکام ثابت ہو رہی ہے"

اس صاف بیانی کے بعد حکومت کو فوراً اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ وہ اپنی عظیم ذمہ داریوں سے کس طرح سبکدوش ہو سکتی ہے اور کیا تدابیر اختیار کر سکتی ہے کہ جن کے نتیجہ کے طور پر عام صارفین کو ملک کے موجودہ ذخائر اجناس سے مناسب داموں پر استفادہ کا موقع ملے۔ ہماری رائے میں مسئلہ تندیہ سے متعلق حکومت کی صحیح حکمت عملی یہی ہو سکتی ہے کہ وہ ایک اعلان کے ذریعہ غلہ کی خانگی خرید و فروخت ممنوع قرار دے کر موجودہ ذخائر اجناس کو خود خرید لے اور کمرشیل کارپوریشن کے ذریعہ صارفین تک پہونچائے۔ اس تجویز پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کام کے لئے حکومت کو کروڑہا روپے صرف کرنے پڑیں گے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا کرنا ہی پڑے تو حکومت کو پیچھے نہ ہٹنا چاہئے واقف کاروں کا بیان ہے کہ علاوہ کروڑہا روپیوں کو غلہ کی تجارت میں مقید کر دینے کی ضرورت لاحق نہ ہوگی کیونکہ تاجرین ذخائر سے قیمت خرید کا تعین ہو جانے کے بعد غلہ کی فروخت فوراً شروع ہو سکتی ہے اور اس طرح صارفین اور چلر فروشوں سے جو رقم وصول ہوگی وہ تاجرین ذخائر کو ادا کی جا سکتی ہے۔ ایک اور صورت یہ ممکن ہے کہ بنکوں سے قرضہ لیا جائے۔ تین یا چار فی صد سالانہ سود پر ملک کے مختلف بنک حکومت کو بخوشی قرض دینے آمادہ ہو جائیں گے۔ چونکہ غلہ کی تجارت میں ایک عرصہ تک مال رکا رہنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے اس لئے سود کا بار ناقابل لحاظ ہوگا۔ اور اس طریقہ سے جو اجناس بازار میں فروخت ہوں گے ان کے دام صارفین کے نقطہ نظر سے رائج الوقت قیمتوں کے مقابل یقیناً بہت ہی کم ہوں گے۔ چنانچہ نواب کمال یار جنگ بہادر نے اپنی تقریر صدارت میں اس تجویز کو ذیل کے الفاظ میں پیش فرمایا ہے:۔

"کاشتکاروں اور صارفین کے درمیانی واسطے حتی الامکان کم کئے جائیں"

اپنی تقریر میں ایک اور جگہ نواب صاحب نے فرمایا کہ:۔

"بلا واسطہ خیر سے راست معاملہ اس عالمگیر مرض کا واحد علاج ہے اور حکومت کاشتکار اور صارفین ہر ایک کے لئے منفعت بخش ہے"

الغرض قرارداد کا یہ جزو جو سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے اور جس پر ملک کا ہر فرد اور طبقہ متفق ہے حکومت کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

تشویش کی وجہ۔

دوسرا اہم مسئلہ جس پر حکومت کو نہ صرف توجہ کرنی چاہئے بلکہ ایک عام بیان کے ذریعہ اپنی موجودہ اور آئندہ پالیسی کو واضح کرنا چاہئے وہ قرارداد کے جزو (۵) میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

"یہ جلسہ عام حکومت سرکار عالی کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہے کہ اس کی معاشی ناکامیابی اور کرنسی پالیسی ایسی نہ ہو جو قیمتوں میں اضافہ کا ایک مزید عنصر ثابت ہو"

یہ تجویز بھی جلسہ عام کی منظورہ قرارداد کا ایک اہم جزو ہے۔ ہم نے اپنی ۵ اردی بہشت کی اشاعت میں اس مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈالی تھی اور حکومت سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنی طرز کردہ رائے سے عوام کو مطلع فرمائے۔ واقعہ یہ ہے کہ معاشیات ہند کے ماہرین کے بیانات نے عوام کو تشویش میں ڈال دیا ہے۔ اور چونکہ کل ہندی مسائل کے اثر سے حیدرآباد محفوظ نہیں ہے اس لئے اہل حیدرآباد کا غور و فکر کرنے والا طبقہ اپنی حکومت سے رہبری اور صراحت کا خواستگار ہے۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ آنریبل مسٹر غلام محمد کوئی بیان شائع فرما کر یا پریس کانفرنس کے ذریعہ اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے۔

عوام کی نمائندگی۔

تیسرا اہم مسئلہ جو جلسہ عام کی منظورہ قرارداد کا ایک اہم جزو ہے اور جو حکومت کے زیر غور رہ سکتا ہے وہ حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن کی مجلس انتظامی کی تشکیل سے متعلق ہے۔ یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ کارپوریشن کی مجلس نظماء میں ایسے غیر سرکاری عناصر کو شامل کیا گیا ہے جو قدرتی طور پر کمرشیل کارپوریشن کو ناکام ہوتا دیکھنا پسند کریں گے۔ مسٹر رنگ راؤ کا ابتدا ہی سے یہ خیال رہا ہے کہ اس مجلس میں صارفین کے نمائندوں کو اکثریت حاصل رہنی چاہئے۔ چنانچہ یہ رائے مجلس "انسداد قلت و گرانی اجناس" کو بھی پسند آئی اور جلسہ عام سے بھی یہ تجویز منظور ہوئی۔ ہمیں توقع ہے کہ نواب مہدی نواز جنگ بہادر اس تجویز کا خیر مقدم فرمائیں گے اور اس طرح اپنے ہاتوں کو قوی بنائیں گے۔

ان مسائل کے علاوہ جلسہ عام کی منظورہ قرارداد کے وہ اجزا جو فوری عمل کے متقاضی ہیں سطور ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:۔

(۱) "تغذائی صورت حال کو بہتر بنانے کے سلسلہ میں اجناس اغذیہ کی زیادہ پیداوار کی طرف حکومت کو زیادہ سے زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ جلسہ حکومت کی توجہ اس طرف منعطف کرانا چاہتا ہے کہ قابل کاشت افتادہ اراضیات کو مناسب رعایتوں کے ساتھ زیر کاشت لایا جائے اور ایسے اراضیات کو کاشتکاروں اور مزدوروں بالخصوص زرعی مزدوروں اور ایسے دیگر اشخاص کے جو خود کاشت کرنا چاہتے ہوں سپرد کیا جائے اور موجودہ زیر کاشت رقبہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے کاشتکاروں کو مناسب امداد کے ساتھ آمادہ کیا جائے"

(۲) "چونکہ دیگر اشیائے ما یحتاج کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ ہو جانے کی وجہ سے اس کا اثر اجناس خوردنی کی قیمتوں پر پڑ رہا ہے اس لئے یہ جلسہ حکومت سے درخواست کرتا ہے کہ دیگر اشیائے ما یحتاج کی قیمتوں پر کنٹرول قائم کر کے ان کو مناسب حدود کے اندر رکھے"

ہم حکومت سے پرزور درخواست کریں گے کہ وہ اپنی اولین فرصت میں ان مسائل سے متعلق اپنی حکمت عملی کا تعین فرما کر عوام کی تشویش اور پریشانی کو رفع کرے۔

مدعیان اکثریت کو انتباہ

مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے مسٹر جناح نے جو تقریر کی ہے اس کے حسب ذیل اجزاء قابل غور ہیں۔

(۱) پچھلے تنازعات و اختلافات کو پس پشت ڈال کر مسلم لیگ مساویانہ حیثیت سے کانگریس سے سمجھوتہ کرنے آمادہ ہے۔

(۲) پاکستان کا نام ہندو اخبارات اور لیڈروں کا دیا ہوا ہے مسلم لیگ نے کبھی یہ لفظ اپنی قراردادوں میں استعمال نہیں کیا۔

(۳) مسلم لیگ زمینداروں اور سرمایہ داروں کی حکومت نہیں چاہتی بلکہ عوام کی حکومت چاہتی ہے۔

(۴) مسلم لیگ کسی طرح کوئی وفاقی یا کانفیڈریشن (معاہدہ) نہیں چاہتی بلکہ ایسی ہیئت حکومت کا فطری تقاضا یہی ہو گا کہ وفاقی اکائیوں کو کمزور کر کے مرکز قوی بن جائے اور مرکزی حکومت کی قوت ہندو راج کے مترادف ہے۔

(۵) اگر گاندھی جی واسرائے کو چٹھی لکھنے کے بجائے خود مسٹر جناح کو مخاطب کرتے تو ہندوستان کی تاریخ روداں میں ایک نئے اور شاندار باب کا اضافہ ہوتا۔

(۶) اگر مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں ایک باعزت اور آزاد اجتماعی زندگی کا موقع دیا جائے تو ہندوستان کی آزادی کی جنگ میں مسلمان پیش پیش رہیں گے۔

یہ چند اہم نکات مسٹر جناح کی تقریر سے اخذ کئے گئے ہیں اس تقریر کا وہ حصہ نہایت مدلل اور معقول ہے جس میں مسٹر جناح نے خود کانگریسی لیڈروں کے اقوال و تحریرات سے ثابت کیا ہے کہ ہندو قوم برطانوی سامراج سے آزادی حاصل کرنے کو اتنی اہمیت نہیں دیتی جتنی کہ وہ مسلمانوں پر اپنی اکثریت کا تسلط و اقتدار قائم کرنے کو دیتی ہے۔ ہمارے زمانہ کی یہ وہ ذہنیت ہے جس کو کوئی مسلمان خواہ وہ مسلم لیگی ہو یا قوم پرست ہرگز گوارا نہیں کرے گا۔ مساویانہ حیثیت سے مفاہمت کے لئے ہر مسلمان آمادہ ہے خواہ وہ مفاہمت مسلم لیگی طرز حکومت پر منتج ہو یا اُس اسکیم پر جس کو سر خواجہ آغا خان آنجہانی نے پیش کی تھی اور جس کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ ہندوستان کے ہر صوبہ میں نیز مرکزی حکومت میں مسلم اور ہندو وزراء نیز مسلم و ہندو ارکان مقننہ کی تعداد مساوی ہو۔ غرض مساویانہ حیثیت سے باعزت سمجھوتہ کے لئے ہر مسلمان تیار رہے گا لیکن ہندو قوم کی عددی اکثریت کو قبول کر کے اس کے سیاسی و معاشی تسلط کو قبول کرنا ناممکن ہے۔ اگر مسٹر جناح کی تقریر اور مسلم لیگ کے اجلاس کی روداد سے حقیقت پسند ہندو زعماء کے قلب و دماغ میں اثر پاتے تو اہل ہند کو اپنے مستقبل سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

مجلس علمائے دکن کا ایک دیرینہ مطالبہ

مجلس علمائے دکن نے متعدد قراردادوں میں سے ایک میں حکومت سرکار عالی سے درخواست کی ہے کہ مسلمان بچوں کے لئے عربی کی تعلیم کا انتظام ہر اس سرکاری مدرسہ میں کیا جائے جہاں مسلم طلباء کی تعداد ایسے انتظام کی متقاضی ہو۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ مسلمان طلباء کو دینی امور سے پوری واقفیت حاصل کرنے کے لئے اور خاص کر قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے کے لئے عربی کی ابتدائی تعلیم ضروری ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ سررشتہ تعلیمات مجلس علمائے دکن کی تحریک پر ہمدردانہ توجہ مبذول کرے گا اور مسلم ثقافت کے تحفظ اور بقا کی خاطر اپنے مواعید کو متاثر کرنے میں تامل نہیں کرے گا۔

سرکار عالی آسانیاں فراہم کرے گی

حیدرآباد ۲۵ اپریل۔ یونائیٹڈ پریس کو معلوم ہوا ہے کہ حسب خواہش انجمن انسداد رشوت و گرانی احساس حکومت سرکار عالی نے محکمہ نگرانی قیمت اشیاء محکمہ پولیس کو مطلع کیا ہے کہ جن حضرات کے نام رضاکارانہ خدمات کے لئے منجانب انجمن پیش ہوئے ہیں اُن کو دوکانات سرکاری کی نگرانی میں امداد دی جائے اس ضمن میں اگر کوئی استفسار کرنا ہو تو مولوی محمد علی مولوی معتمد انجمن یا کسی عہدہ دار انجمن سے کیا جا سکتا ہے (ی۔پ)

آریہ سماجی لیڈروں کا تعارف

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے

ایک نامہ نگار کے قلم سے

کشن راؤ صاحب وکیل بانی گورنمنٹ ہندو پرچارنی و دیانند آشرم نظام آباد نے مرہٹی اخبار ۔۔۔ کو رہبر دکن میں ایک مراسلہ شائع کرایا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:۔

(۱) آج کل آریہ سماج کے نام سے چند لوگ بیجا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

(۲) کوئی شخص آریہ سماجی بنتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ہندو دھرم کا بڑا محافظ سمجھنے لگتا ہے اور کسی کی کچھ پروا نہیں کرتا۔

(۳) آریہ سماج کے خود غرض کارکنوں نے ہندو پبلک میں دل شکنی کے اسباب پیدا کئے۔

(۴) سماج کے خود غرض لیڈر پبلک سے بہت کچھ رقمی امداد لے کر خود صرف مقامات کے اغراض میں صرف کرنے ہچکچاتے نہیں۔

یاد ہو گا کہ کوئی دو سال پہلے پنجاب کے مشہور آریہ سماجی لیڈر مہاشہ کرشن نے وہاں کے ایک مشہور آریہ سماجی لیڈر ودر خوشحال چند کے متعلق ایک خبر میں لکھا تھا۔

(۱) ودر خوشحال چند کو ایک جھوٹ چھپانے کے لئے کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔

(۲) ودر خوشحال چند نہ صرف جھوٹ بول سکتے ہیں بلکہ بزدل بھی ہیں۔

(۳) آریہ سماج کی بدقسمتی ملاحظہ ہو کہ جو کچھ کل اس کے مخالف مسلمان کہتے تھے اس کی تائید آج ودر خوشحال چند کر رہے ہیں اور اس لئے کر رہے ہیں کہ ماد و دیشک سبھا نے پرانیک سبھا سے جس کے وہ پردھان ہیں حیدرآباد ستیہ گرہ کا بیس ہزار روپیہ مانگا ہے۔

یاد رہے کہ یہ دونوں آریہ سماجی لیڈر حیدرآباد میں ڈکٹیٹر بن کر آئے تھے لیکن جب ان لوگوں کی تقسیم پر جو غریب ہندوؤں سے حیدرآباد کے نام پر وصول کی گئی تھی آپس میں الجھ گئے۔

حیدرآباد کی برآمدات میں چار کروڑ کی کمی

محاصل کروڑگیری میں تقریباً (۱۹) لاکھ کی کمی ہوئی

سررشتہ کروڑگیری کے (۷۰) ملازمین کی برطرفی یا تنزل

۱۳۵۱ف کے اعداد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ممالک محروسہ کے محاصل کروڑگیری میں تقریباً (۱۹) لاکھ روپے کی کمی ہو گئی اور اشیائے برآمد میں چار کروڑ سے زیادہ کی کمی ہوئی۔

سررشتہ کروڑگیری کے (۷۰) ملازمین کو بوجوہ عدم کارکردگی یا فرائض سے بے اعتنائی کی بناء پر یا تو برطرف کر دیا گیا یا ان کے تنزل کی کارروائی عمل میں آئی۔

سندھ، پاڑ کے مارکٹ بند ہو جانے کی وجہ سے کپاس اور روغن دار تخم کی کاشت کرنے والے مزارعین کو بے طرح نقصان پہونچا لیکن اس نقصان کی تلافی ایک حد تک اس طرح ہو گئی کہ ایک طرف تو روغن سازی کی صنعت کو فروغ ہوا اور دوسری طرف دستی پارچہ بافی کو بھی ترقی ہوئی۔

۱۳۵۱ف (اکتوبر ۱۹۴۱ء تا اکتوبر ۱۹۴۲ء)

میں سررشتہ کروڑگیری کو (۲،۱۲،۹۹،۳۳۳) روپے آمدنی ہوئی اس کے برعکس سابقہ سال (۲،۳۲،۲۸،۹۰۵) روپے آمدنی ہوئی تھی گویا کہ اس سال (۱۹،۲۹،۵۶۲) روپے یا (۸.۲) فی صد کمی واقع ہوئی۔

ریل کے ذریعہ منتقل کی جانے والی تجارتی اشیاء سے (۱،۰۳،۰۹،۵۳۲) روپے یا (۴۸.۷) فیصد آمدنی ہوئی اور سڑکوں کے ذریعہ منتقل کی جانے والی اشیائے تجارت سے (۹۸،۲۹،۷۰۲) روپے یا (۴۶.۳) فیصد آمدنی ہوئی۔

۱۳۵۱ف کی مجموعی آمدنی میں سے درآمد کی مقدار (۷۷،۰۳،۴۹۰) روپے یا (۳۶.۵) فی صد تھی اور برآمد کی مقدار (۱،۳۳،۶۲،۵۰۰) روپے یا (۶۳.۵) فیصد تھی۔ متفرق آمدنی کی مقدار (۱۵۹) روپے تھی مجموعی آبادی کا بھی لحاظ کرتے ہوئے محصول کروڑگیری کا فی کس اوسط ۱۳ آنے ۲ پائی ہے۔

اشیاء درآمد کی قیمت میں معمولی کمی

بمقابلہ ۱۳۵۰ف ۱۳۵۱ف اشیائے درآمد کی مجموعی قیمت (۳۳،۵۳،۰۰۰) روپے سے کم ہو کر (۱۳،۳۱،۵۰،۰۰۰) روپے ہو گئی۔ جن خاص مدات کے تحت اضافہ ہوا وہ یہ ہیں سوت (۴۲،۳۴،۰۰۰) روپے، نمک (۱۳،۹۰۰۰) روپے، پارچہ بافی (۸۵،۰۰۰) روپے، چاول اور دالیں (۹۰،۰۰۰) روپے، چائے (۴۱،۰۰۰) روپے، آہنی اور فولادی اشیاء (۲۹،۰۰۰) روپے، پودے اور تیلے (۲۹،۰۰۰) روپے، تمباکو (۲۶،۰۰۰) روپے، چھالیہ (۴۳،۰۰۰) روپے، چاندی (۰۰۰...) روپے اور ادویات (۱۳،۰۰۰) روپے۔ ان کے برعکس جن اشیاء کے تحت کمی واقع ہوئی وہ یہ ہیں پٹرول (۹۵،۰۰۰) روپے، مصنوعی ریشم (۶۰،۰۰۰) روپے، شکر (۳۸،۰۰۰) روپے، ناریل کا تیل (۳۰،۰۰۰) روپے، موٹر کاریں اور بسیں (۳۹،۰۰۰) روپے، مٹی کا تیل (۳۸،۰۰۰) روپے، انگور (۲۵،۰۰۰) روپے، ریشمی اشیاء (۲۲،۰۰۰) روپے، گیہوں (۲،۰۰۰) روپے، برقی اشیاء (۱۰،۰۰۰) روپے، خشک میوہ (۴،۰۰۰) روپے، عماراتی لکڑی اور بانس (۲۰،۰۰۰) روپے، کروڈ آئیل (۱۱،۰۰۰) روپے، ربر کی اشیاء (۱۰،۰۰۰) روپے، سلائی کی مشینیں (۱۰،۰۰۰) روپے اور پالش کیا ہوا لوہا اور قلعی دار آہنی چادریں (۹،۰۰۰) روپے۔

اشیاء برآمد کی قیمت میں چار کروڑ کی کمی

برآمدات کی مجموعی قیمت (۱۱،۶۷،۱۰۰۰) روپے ہے اس کے برعکس ۱۳۵۰ف میں یہ مقدار (۱۵،۶۷،۹۱،۰۰۰) روپے تھی۔ جن اہم مدات کے تحت کمی واقع ہوئی وہ یہ ہیں کپاس (۲،۳۲،۰۰۰) روپے، مونگ پھلی (۰۰۰...) روپے، تیل (۲۳،۰۰۰) روپے، متفرق اشیائے خوردنی (۵،۰۰۰) روپے، کپاس کے تخم (۸،۰۰۰) روپے، السی (۸۹،۰۰۰) روپے، جوار (۸،۰۰۰) روپے، کھلی (۳۵،۰۰۰) روپے۔ ان کے برعکس جن اشیاء کے تحت اضافہ ہوا وہ یہ ہیں۔ گل (۱۱،۰۰۰) روپے، باجرا (۸،۰۰۰) روپے، رینڈی کے تخم (۵،۲۰۰۰) روپے، اون (۲۱،۰۰۰) روپے، مرچ (۲۲،۰۰۰) روپے، مویشی (۳،۰۰۰) روپے، بھیڑیں اور بکریاں (۵،۰۰۰) روپے، شاہ آبادی پتھر (۱۱،۰۰۰) روپے اور کرڈی (۱۰،۰۰۰) روپے۔

کپاس اور روغن دار تخم کی تجارت کو شدید نقصان

۱۳۵۱ف میں اکثر دوسرے ممالک کی طرح ممالک محروسہ سرکار عالی کی تجارت برآمد میں بڑی کمی ہو گئی۔ کپاس اور مونگ پھلی کی برآمد خاص طور سے بری طرح متاثر ہوئی اور اس کا سبب بیرونی مارکٹ کی مسدودی ہے۔ تاہم اس امر کی پوری کوشش کی گئی کہ کپاس سے تیار کردہ اشیاء کے صرف میں مزید اضافہ ہو جائے تاکہ برآمد میں کمی کی ایک حد تک تلافی ہو سکے۔ کپڑا بننے کی گرنیاں زیادہ مقدار میں کپاس خریدنے پر مائل تھیں کیونکہ ایک تو کپاس کی قیمت کم ہو گئی تھی دوسرے حکومت کثیر مقدار میں مختلف قسم کے کپڑے خریدنے لگی۔

جاپان سے درآمد کی مسدودی کے باعث دستی پارچہ بافی کی صنعت کو کافی فروغ ہوا اور سوت اور کپڑے کی قیمت میں نمایاں اضافہ ہونے کے باوجود ۱۳۵۱ف میں ان مدات کے تحت (۱،۶۵،۰۲۸) روپے آمدنی ہوئی۔

صنعت روغن سازی کی ترقی

روغن دار تخم بالخصوص مونگ پھلی کی برآمد میں بہت زیادہ کمی ہو گئی۔ ممالک محروسہ میں جس رقبہ پر مونگ پھلی کی کاشت ہوتی ہے وہ تمام ہندوستان میں اس فصل کے زیر کاشت رقبہ کا (۱۳.۳) فیصد ہے اس لئے برآمد کی کمی کے اثرات زیادہ محسوس کئے جانے لگے۔ تاہم اندرون ملک صرف میں متواتر اضافہ ہوتا رہا جیسا کہ مندرجہ ذیل اعداد سے ظاہر ہو گا اور اس کا خاص سبب صنعت روغن سازی کی ترقی ہے۔

سنہ	روپے
۱۳۴۶ف	۱۲۵۷۷۵
۱۳۴۷ف	۲۰۳۳۸۵
۱۳۴۸ف	۲۶۳۴۹۳
۱۳۴۹ف	۲۵۸۴۲۳
۱۳۵۰ف	۳۰۰۹۵۱

ذخائر کے غائب ہونے سے پہلے حکومت مداخلت کرے

راجہ گوپال داس کا بیان

حیدرآباد۔ ۲۲۔ اپریل۔ راجہ گوپال داس نے حسب ذیل بیان برغرض اشاعت جاری کیا ہے۔

"اجناس کی مصنوعی قلت اور ناقابل برداشت گرانی کے مسئلے سے متعلق نواب کمال یار جنگ بہادر کی صدارت میں جو جلسہ عام منعقد ہوا اس کی روئیداد کو پڑھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اور ایسا محسوس ہوا کہ میں نے جو بیج بویا تھا وہ ایک درخت کی صورت اختیار کر رہا ہے حکومت سرکار عالی سے میری درخواست ہے کہ وہ جلسہ کی منظورہ قرارداد کو بغور ملاحظہ فرما کر پیش کردہ تجاویز کو قبول فرمائے۔

ابتداء ہی سے میرا یہ مطالبہ ہے کہ حکومت کو اناج کے مسئلہ میں مداخلت کرنی چاہئے۔ کامیاب اور موثر مداخلت کا خاکہ [illegible] اسکیم میں موجود ہے جس کو مقامی حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ضروری رد و بدل کے ساتھ نافذ کیا جا سکتا ہے۔ [illegible] مزارعین کے درمیانی واسطہ کو گھٹانے کی بھی ایک صورت ہے جس کی نواب کمال یار جنگ بہادر نے بھی تائید کی۔ میرے اس بیان کی تائید کہ ذخائر کافی مقدار میں موجود ہیں جناب [illegible] صاحب اور [illegible] کی تقریر اور جناب [illegible] سے بھی ہوتی ہے [illegible] حکومت کو فوری [illegible] کرنی چاہئے [illegible]

بھوکوں کی فریاد رنگ لا رہی ہے

جلسۂ عام کی روئداد پر تبصرہ

(ہمارے نامہ نگار خصوصی کے قلم سے)

"کاشتکاروں اور صارفین کے درمیانی واسطے حتی الامکان کم کئے جائیں۔ بلا واسطہ خریدی راست ہی اس عالمگیر مرض کا واحد علاج ہے اور حکومت کاشتکار اور صارفین ہر ایک کے لئے منفعت بخش ہے" اس خیال کا اظہار نواب کمال یار جنگ بہادر نے جلسۂ عام کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا۔

"ہماری حکومت بے خبر نہیں ہے اگر عوام چاہتے ہیں تو وہ ضرور ہماری دقتوں کو دور کرے گی" قرارداد پیش کرتے ہوئے راجہ بہادر وینکٹ راما ریڈی نے اس امر کا یقین دلایا کہ انجمن "انسداد قیمت و گرانی" حیدرآباد کی یہ قومی کوششیں رائگاں نہ جائیں گی۔

یہ جلسۂ عام جو انجمن انسداد قیمت و گرانی دہائی کے زیر اہتمام وکیکلی بوش کے احاطہ میں منعقد ہوا تھا اپنی نوعیت اور خصوصیات کی بنا پر نہایت اہم اور کامیاب جلسہ تھا۔ شاید حیدرآباد کی حالیہ پبلک سرگرمیوں میں یہ پہلی کوشش تھی جس میں فنی اور عملی ہر مکتب خیال کو ایک مشترکہ مقصد کے حاصل کرنے کے کامل اتحاد و ہم آہنگی کے جذبات کے ساتھ یہ موقع ملا تھا کہ وہ گرانی جیسی لعنت اور مصیبت کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ جس پر جا نمائندہ و عینا کردہ جلسے کو کامل مبارکباد دیتی ہے کہ انھوں نے اپنے کام کا بیڑا اٹھایا ہے جو بلا لحاظ مذہب و فرقہ تمام ملک کا اہم ہے۔ جلسہ میں جو قرارداد پیش کی گئی تھی اس کا مرکزی نقطہ گرانی تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ دوسرے ایسے متعدد اجزاء بھی زیر بحث آگئے تھے جو گرانی کے مختلف مسائل کے سلجھانے کے لئے ضروری ہیں۔

مسٹر بی رام کشن راؤ کی تقریر میں ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ اجتماع منڈیوں میں اور نفع اندوزی و گرانی کو دور کرنے کے ترجیحی ذریعوں کو قبضہ کرنے کی ذاتی قائل تھے۔ چنانچہ صاحب موصوف نے فرمایا کہ غلہ نہ کاشتکار کے پاس ہے نہ ساہوکار کے پاس اور نہ حکومت کے پاس۔ بہت ممکن ہے کہ یہ الفاظ ان کے نہ ہوں لیکن ان کی تقریر سے اس قسم کی غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ آپ نے اس امر کا انکشاف فرمایا کہ علاوہ کاشتکاروں کے جنھوں نے آئندہ فصل کی تخم کی ضروریات اور اپنے ذاتی یا خاندانی ضرورت کے لئے رکھا ہیں اور روکے ہیں ملک کے صارفین کی ایک بڑی تعداد قلت کے خوف سے احتیاطاً بہت سا غلہ اپنی خانگی ضروریات کے لئے محفوظ کر لیا ہے۔ لیکن صاحب موصوف نے یہ نہیں بتلایا کہ اگر صارفین کے پاس اجناس کا بہت بڑا ذخیرہ ہے تو پھر یہ چیخ پکار کیسے کیا جاتے ہیں۔ مسٹر بی رام کشن راؤ نے اس سے انکار نہیں کیا کہ ساہوکار بھی گرانی کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ آپ نے ملک کے ساہوکاروں سے اپیل کی کہ وہ پھر یہ قوانین کے نفاذ سے قبل ہی وہ اجناس خوردنی کو سستی اور کم قیمتوں پر فروخت کریں اور خدا نخواستہ ایسی صورت نہ پیدا ہو کہ ساہوکاروں کو زیادہ نقصان اٹھانا پڑے۔

مسٹر جی ایم خان کی تقریر کافی پر جوش اور اس کے ساتھ ساتھ تلخی ہوئی بھی تھی۔ صاحب موصوف نے راشن بندی کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ سرکاری دوکانوں پر جس قسم کا کاروبار کیا جا رہا ہے وہ غیر اطمینان بخش اور ناکافی ہے۔ شکر کی حد تک سرکاری دوکانوں پر بد تہذیبی اور تمرد کا اظہار ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے ناجائز طور پر شکر فروخت کرنے والے اپنے کارندوں کو روانہ کرتے ہیں تاکہ وہ سرکاری دوکانوں پر کے ہجوم غفیر میں بیش قیمت پر شکر حاصل کریں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ حقیقی حاجتمند کو شکر نہیں ملتی۔ خان صاحب کی تقریر سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سرکاری دوکانیں جس بدانتظامی اور بدنظمی کے ساتھ قائم ہیں وہ انتہائی حد تک قابل اعتراض ہیں۔

گرانی جیسے جیسے بڑھتی جا رہی ہے قدرت اور برداشت کا ضد بڑھتا جا رہا ہے۔ چنانچہ مسٹر کرشنا سوامی مدیراج نے فرمایا کہ پیٹ نہ بھرنے تو بدامنی پھیل جاتی ہے۔ ملک کے لاکھوں بھوکوں کی روٹی کا انتظام کرنا حکومت کے تمام فرائض میں سب سے اہم فرض ہے۔ صاحب موصوف نے غلہ زیادہ اگاؤ کی تلقین کرتے ہوئے حکومت سرکار عالی کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ وہ ملک میں قلت اور گرانی کو کم کرنے میں مدد دے۔ ڈاکٹر لطیف سعید نے افتادہ اور قابل کاشت اراضیات کو زیر کاشت لانے کی اہمیت پر زور دیا اور فرمایا کہ ملک کا کاشتکار جہالت اور افلاس کا غلام ہے ضرورت اس کی ہے کہ کاشتکاروں میں ساہوکاروں کے مظالم کے خلاف اور جہالت کے خلاف اور افلاس کے خلاف شعور پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ "غلہ زیادہ اگاؤ" کی مہم کے سلسلہ میں افتادہ زمینات کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے یہ رائے ظاہر کی کہ زمینات ایسے ہی لوگوں کو دیں جو خود کاشت کرنا چاہتے ہیں ایسا نہ ہو کہ ملک کے بڑے بڑے امراء اور سرمایہ دار افراد قابل کاشت اراضی پر نفع اندوزی کی خاطر قابض ہو جائیں۔

مسٹر نرسنگ راؤ کی تقریر بہت زیادہ عالمانہ اور فنی تھی چنانچہ موجودہ گرانی اور مصنوعی قلت کے سب سے بڑے سبب یعنی ساہوکاروں کی نفع اندوزی کو اس تقریر نے پس منظر میں ڈال دیا تھا۔ صاحب موصوف نے افراط زر، لوگوں کی قوت خرید میں اضافہ اور حکومت کی ضروریات کے لئے غلہ کی خریدی جیسے وجوہ پر طویل بحث کی۔ آپ نے مسٹر بی رام کشن راؤ کے اس قیاس کی تائید کی کہ صارفین بھی کافی ذخیرہ کر رہے ہیں۔ صاحب موصوف نے حکومت سے اپیل کی کہ وہ افراط زر کی پالیسی پر نظر ثانی کرے۔

اس جلسہ میں سب سے زیادہ عام فہم اور کارآمد تقریر مسٹر وینکٹ راؤ کی تھی۔ بہت اقدام کی ... آپ نے کہا کہ بھوکوں کی فریاد سب سے خطرناک ہوتی ہے۔ اگر اس کا انتظام نہ کیا جائے تو کوئی انتظام باقی نہیں رہ سکتا۔ ساہوکار جو زیادہ غریبوں کا خون چوستے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ اپنی نفع اندوزی کی خاطر ملک کے کروڑہا انسانوں کو پریشان نہ کریں۔ صاحب موصوف نے اختتام میں فرمایا کہ حکومت نے جو غلہ کے انتظام کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے اور ملک کے کروڑہا بھوکوں کو فاقوں سے بچا لیا۔ اس سلسلہ کی ایک اور کڑی شیام سندر صاحب کی تقریر تھی۔ صاحب موصوف تو اتنے زیادہ جذبات سے مغلوب ہو گئے تھے کہ انھوں نے اس بھرے جلسہ میں ان ہزار مقتولوں کی خبر دی جو کسی بغاوت میں محفوظ ہیں۔ یاد رہے کہ مسٹر وینکٹ راؤ اور مسٹر شیام سندر (۴۰) لاکھ پسماندہ افراد کے نمائندے ہیں۔

ہمیں اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس جلسۂ عام کی تعمیری تجاویز صدا بصحرا ہو جائیں گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس جلسۂ عام کا جو مرکزی نقطۂ نظر تھا اس کو ملک کے دوسرے حصوں میں بھی جلسوں، تقریروں، مضامین، بیانات اور لاسلکی نشریات کے ذریعہ عام کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ عوام ان اسباب سے واقف ہو جائیں گے جو گرانی کا باعث ہیں۔ جلسۂ حیدرآباد کی حد تک اس جلسۂ عام سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس قسم کی کوششوں میں ملک کے امراء، سیاسی کارکن، سنجیدہ شہری اور ارباب صحافت سب کے سب گرانی کے انسداد کے لئے کمربستہ ہو گئے ہیں۔ وہ دن دور نہیں جبکہ حکومت حیدرآباد عوام کی پوری تائید کے ساتھ قوانین نافذ کرے جس سے ملک کی گرانی اور قلت دور ہو جائے۔

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

ہفتہ گزشتہ کی اہم خبر یہ ہے کہ فہرست مقررین میں نام شریک رہنے کے باوجود سیٹھ لکشمی نواس گنیروال اس عظیم الشان جلسۂ عام میں شرکت سے محترز رہے جو احاطۂ دیکاجی ہوٹل میں اجناس کی مصنوعی قلت اور گرانی کے انسداد پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا۔

---

۱۰ خورداد کو معاصر "رعیت" نے اپنا آریہ سماجی نمبر نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع کیا۔ یہ نمبر (۱۲) صفحات پر مشتمل ہے۔ طباعت دیدہ زیب اور مضامین اشتعال انگیز ہیں۔ اس نمبر کی چند کاپیاں باقی رہ گئی ہیں جو شائقین کو دفتر "رعیت" سے مل سکتی ہیں۔

کہا جاتا تھا کہ آریہ سماجی تحریک خالص مذہبی تحریک ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا تھا کہ مذہبی معاملات میں عدم مداخلت چونکہ سرکار عالی کی مسلمہ پالیسی ہے اس لئے حکومت کو چاہیئے کہ آریہ سماجی تحریک کو بلا روک ٹوک سارے ملک میں پھیلنے کی اجازت دیدے چنانچہ حکومت نے اس بیان کو صحیح سمجھتے ہوئے اپنی رواداری اور دستور کے مطابق آریہ سماجی تحریک کو پھلنے پھولنے کی عام اجازت دے دی لیکن اب جبکہ یہ تحریک کافی قوت پکڑ چکی ہے یہ کہا جانے لگا ہے کہ یہ مذہبی نہیں بلکہ قومی اور سیاسی تحریک ہے۔

ہم پریشان ہیں کہ کس بیان کو باور کریں۔ اگر آریہ سماجیوں کی نظر میں مذہب اور سیاست جدا نہیں ہیں تو مذہب کی آڑ میں خوب سیاسی کھیل کھیلے جا سکتے ہیں۔ ہم کل رات اپنے صحن میں بستر پر پڑے ہوئے ان مسائل پر غور کر رہے تھے اور جب ایک استغراق کے عالم میں ہم نے آسمان کی طرف سر اٹھایا تو یہ سیاسی مسائل دماغ سے غائب ہو گئے اور غالب کا یہ شعر ہم بے ساختہ گنگنانے لگے ؎

ہیں ستارے کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

ہمارا شہر پریشد اورنگ آباد نے حکومت کو متوجہ کیا ہے کہ:

علاوہ اشیائے خوردنی کی قیمتوں پر کنٹرول کرے تاکہ غریب طبقہ گرانی کے بوجھ سے زیادہ پریشان نہ ہونے پائے۔

اس کے بعد ہمارا شہر پریشد نے ضلع پربھنی کے غذائی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے ارکان گنگدھر راؤ صاحب، رگھوناتھ راؤ صاحب، امرت داس راؤ صاحب، ستداشیو راؤ صاحب اور مسٹر وارنکر ہیں۔ (ایک خبر)

اس خبر کو پڑھنے کے بعد ہم نے ایک دوست سے دریافت کیا کہ کیا پربھنی میں مسلمان یا دوسرے فرقوں کے لوگ نہیں بستے یا گرانی کی وجہ سے وہ پریشان نہیں ہیں۔ ہمارے دوست جو بڑے واقف کار اور تعریف رازداں ہیں کہنے لگے:

"بات یہ ہے کہ ہمارا شہر پریشد اس ہیجانی کیفیت کو بے اثر کرنا چاہتی ہے جو گرانی اور ساہوکاروں کے خلاف ملک میں پیدا ہو چکی ہے۔ اگر ایسی کمیٹی میں کوئی ایسا عنصر شامل ہو جاتا جو ساہوکاروں کی نفع اندوزی کو بچانا نہیں چاہتا تو مقصد کیسے پورا ہوگا؟"

مسٹر لکشمی نارائن گپتا حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن کے شیر ہولڈرز ہیں لیکن مسٹر مادھو راؤ انوری جو مسٹر گپتا کی کوآپریٹو انشورنس سوسائٹی کے منیجر اور ان کے ماتحت ہیں حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ اخبار "رعیت" میں مسٹر مادھو راؤ انوری نے دو کالم کا مضمون بیوپاریوں اور ساہوکاروں کی تائید میں شائع کیا ہے۔ (ایک خبر)

کیا واقعی مسٹر گپتا اور مسٹر مادھو راؤ انوری کے آراء میں اختلاف ہے یا ہمیں ایسا دکھائی دے رہا ہے؟ کیا مسٹر مادھو راؤ انوری مسٹر گپتا کے خلاف رائے قائم کر سکتے ہیں؟

سیٹھ لکشمی نواس گنیروال نے راجہ کشن داس صاحب کو چیلنج دیا تھا کہ وہ ذخائر کی نشاندہی کریں۔ راجہ کشن داس صاحب نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ یہ کام پولیس کا ہے۔ راجہ کشن داس صاحب آدمی بڑے ہوشیار معلوم ہوتے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ اگر ذخائر کی نشاندہی کی گئی تو ذخائر منتقل ہو جائیں گے اس لئے وہ مصلحتاً خاموش تھے۔ بات یہاں ختم ہو گئی تھی لیکن شیام سندر صاحب لیڈر پست اقوام سے خاموش نہیں رہا گیا اور انہوں نے آخر ایک مجمع جلسہ میں ایک چیلنج کے ہیں جو ذخیروں کا راز کھول ہی دیا۔ معلوم نہیں اس انکشاف کا نتیجہ تھا یا نئے مال کے لئے گنجائش نکالنے کی غرض جو بھی وجہ ہو سنتے ہیں کہ اس بلدے سے ذخائر منتقل کئے جا رہے ہیں اور ان حلقوں میں جو نفع اندوزی کو جائز رکھتے ہیں شیام سندر صاحب کے متعلق کہا جا رہا ہے ؎

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہے سزا چاہتا ہے

مسٹر بی رام کشن راؤ کو حیدرآباد کے ساہوکاروں سے بڑی ہمدردی ہے جس کی بنا پر آپ نے اس طبقہ سے درد بھرے دل کے ساتھ اس جلسۂ عام میں جو دیکاجی ہوٹل کے احاطہ میں منعقد ہوا تھا یہ اپیل کی کہ "جبریہ قوانین کے نفاذ سے پہلے ہی وہ ذخائر کو بازار میں لائیں اور سستے داموں فروخت کریں" آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "اگر خدانخواستہ جبریہ قوانین نافذ ہوں تو ساہوکاروں اور بیوپاریوں کا بڑا نقصان ہوگا۔"

کیسی درد بھری اپیل ہے! کیا اب بھی ساہوکاروں کا دل چاندی کے سکوں کی طرح نہیں پگھلے گا؟

بنگہ سرکار عالی گرگانے کا ایک واقعہ پرسوں تاندور شریف میں پیش آیا جبکہ ایک ساہوکار ہیرا لال اگروال اپنے ملازم پاپیا کے ساتھ اپنی دکان میں روپیوں کو گاڑ رہا تھا۔ اطلاع پر کوتوال بلدہ نے دکان کا محاصرہ کر کے ساہوکار مذکور کو گرفتار کر لیا۔ (دکن نیوز)

ہم اس خبر کو باور کرنے تیار نہیں ہیں کیونکہ چند ہفتے قبل سیٹھ لکشمی نواس گنیروال نے اپنے ایک صحافتی بیان میں کہہ دیا ہے کہ ساہوکار سکہ نہیں گاڑ رہے ہیں۔ غلہ اور سکہ سے متعلق جو واقعات بھی پیش آتے ہیں۔ اس کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے یا صارفین پر۔

جلسۂ عام کی منظورہ قرارداد کا ایک فقرہ یہ تھا کہ اگر ذخیرہ بندی اور نفع اندوزی اسی طرح جاری رہے تو لازم ہوگا کہ حکومت ان کو فوراً حاصل کرے۔

اس فقرے کی نسبت ہمارے ایک دوست کا خیال ہے کہ ذخائر اجناس کو ضبط کرنے میں تاخیر کرنا اور ان کو ساہوکاروں کے قبضہ میں چھوڑ رکھنا گویا دودھ کی حفاظت بلی کے سپرد کرنا ہے۔

حیدرآباد میں صنعتی سرمایہ کا مسئلہ

از

جناب اسد اللہ صاحب اگار مشیر صنعت و حرفت

ہمارا ملک معاشیات اور صنعت و حرفت کے میدان میں جس قدر پیچھے ہے اس سے آپ واقف ہیں نہیں ماضی میں اس خصوص میں تھوڑی بہت جو کچھ جد و جہد رہی وہ کس قدر ناکافی اور ناقص تھی وہ ہماری موجودہ زبون حالی سے ظاہر ہے یا تو یہ کاوشیں بے اصولی تھیں یا ان میں شدت و قوت آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ اس کی تفصیل کے لئے نہ یہ موقع ہے اور نہ وقت ہی گنجائش ہے۔

ہمارے ملک کا اکثر و بیشتر حصہ زراعتی ہے ہمارے کسان، ہماری کاشتکاری، ہماری پیداوار پر نظر ڈالئے تو زوال حال اور قرون ماضیہ میں بالکل تھوڑا سا فرق نظر آئے گا۔ مشینوں کے استعمال اور کاشت کے جدید اصولوں اور بہتر طریقوں سے اب بھی ہمارا کسان کچھ زیادہ واقف نہیں۔ ایک طرف تو یہ کمیر کا فقیر ہے اور دوسری طرف ہم بھی شاید کمیر کی کے فقیر ہیں زمین کے محاصل کے حصول اور پیداوار کے اعتبار سے کسی کی محنت و عرق ریزی اور جستجو لاگت سے اب بھی کوئی دور کا بھی تعلق نظر نہیں آتا۔ طلب و رسد کے بدلتے ہوئے حالات کے تحت ہمارے بھولے بھالے کسان کو ہر وقت رہبری کی ضرورت ہے۔ ان ہی وجوہ سے ہمارا کسان ذکر اس ہی ہونا کو دور رکھنے سے اس مرگ جیسا آزاد نہیں ہو رہیں۔ خاص کر جبکہ اس دور جدید میں عمل اور قوت، ساجت، کامیابی کے اصل راز ہیں۔ پھر اس جنگ و دو اور کشمکش میں ہماری کھیتیاں ملیامیٹ ہو جائیں تو کوئی تعجب نہیں۔ ہمارے ملک میں ترشیاء روغنی کی کمی ہے اور نہ ریشہ دار پیداوار کی۔ لیکن تمام اشیاء اور صنعتی پیداوار کی برآمد و درآمد کے اعداد ہماری ترقی اور غفلت کو بے نقاب کئے رہتے ہیں۔ ارنڈی کی کاشت دنیا میں سب سے زیادہ ہمارے ملک میں ہے۔ ولایتی مونگ کی پیداوار کے اعتبار سے ہمارا ملک دنیا میں تیسرے درجہ پر ہے ہمارے ملک میں تیل بہت کم کھینچا جاتا ہے۔ یہ چیزیں جیسی کی ویسی برآمد کی جاتی ہیں ان پیداواروں سے ہمارے ملک اور ابنائے ملک کو بہت زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔

ہمارے جنگلات کچھ کم دلچسپ میدان نہیں۔ ان سے کافی چوبینہ نکلتا ہے اور اگر کوشش کی جائے تو اس سے بہتر اور زیادہ مقدار میں چوبینہ نکل سکے گا اس کے علاوہ اگر سائنٹیفک طریقوں سے لکڑی اور کوئلے کو کچھوڑا اور پھوڑا جائے تو ان سے کیا کچھ ہاتھ نہ آئے۔ اسی اشیاء جن کے لئے ہم اس وقت دوسرے ممالک کے دست نگر ہیں۔

معدنیات میں کوئلہ، لوہا، تانبا، ابرک، سونا، گندھک اور خدا جانے کتنے اور دفینے ہماری سرزمین کی آغوش میں چھپے ہوئے ہیں ان کی تلاش، جستجو، پہچان، اور ان سے تمتع حاصل کرنا ہنوز ہماری توجہات کے منتظر ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ صنعتی ترقیوں کے لئے پہلا قدم اور نہایت اہل صنعت دماغوں پر قوت کو میسر آتا ہے۔ قوت پیدا کرنے کے ذرائع سے قدرت نے اس ملک کو محروم نہیں رکھا۔ ہوا اور پانی بہت موجود اور دریا دریا بیابان بھی رہیں۔ ان سے استفادہ کرنا سراسر ہمارا قصور ہے۔

مختصر یہ کہ سامان کی ہمارے ہاں کمی ہے اور نہ سرمایہ کی۔ لیکن ان کو فراہم کرنے اور ان سے ملک کو مالا مال کرنے کے لئے قوی وسعت نظر، تجارتی تدبر اور بلند حوصلوں کی ضرورت ہے اس کمی کے بھی وجوہ ہیں عوام میں صنعت و حرفت کا مذاق جیسا ہونا چاہئے نہیں ہے یہی حال سرمایہ داروں کا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ کسی کو کسی پر اعتماد نہیں۔ جہاں ایسا نا موافق ماحول ہو نہ کسی صنعت کا آغاز ہو سکتا ہے اور نہ کوئی چالو صنعت چالو رہ سکتی ہے۔ جب تک کہ حکومت شریک کار نہ ہو جائے۔ ریاست میسور کی صنعتی ترقیوں کا سبب یہ بڑا راز یہی ہے۔ اکثر کارخانے حکومت کے سرمایہ اور حکومت کی سرپرستی میں قائم ہوئے اور چل رہے ہیں اس کے علاوہ اور دیگر۔ ریاستوں میں بھی ایسی مثالوں کی کمی نہیں۔ ہماری حکومت نے بھی اسی اصول کو بنظر رکھ کر کچھ عرصہ قبل صنعت و حرفت میں جان ڈال دی کچھ نئے کارخانے قائم ہو گئے جس قدر کارخانے قائم ہیں وہ ہمارے ملک کے امکانات کا لحاظ کرتے عشر عشیر بھی نہیں، ابھی عرصہ تک اس کی ضرورت رہے گی کہ حکومت والے بڑے قدرے، صنعتی اداروں کی حدود معاون رہے۔ اس تدبیر سے عوام کا رجحان صنعتی کاروبار کی طرف بڑھتا جائے گا اور ان کی نظروں میں صنعتی اداروں کی ساکھ قائم ہوتی جائے گی۔ فی الوقت ہمارے ملک میں صنعت و حرفت کی مثال ایک شیر خوار بچے اور وہ بھی کمزور بچے کی سی ہے۔ اس کو کچھ عرصہ تک سہارے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم یہ سمجھیں کہ اس بچے کو آئندہ چل کر عمل نیک و فراز بنانے کرتے ہیں اس لئے اس کو ابتدا ہی سے سہارے کا عادی نہ بنانا چاہئے تو یہ صحیح نظریہ نہیں۔ ہر بچہ کو سہارے کی ضرورت کچھ عرصہ تک ہوتی ہے۔ جب وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے تو سہارے کو الگ کر دیجئے اور وہی سہارا کسی اور شیر خوار بچے کو دیجئے۔ تب تو یہ بچے نہ ٹھوکریں کھائیں گے اور نہ صدمے اٹھائیں گے مرتے سے سہارا نہ دینے کا اصول ہمارے ملک کی موجودہ فضا میں میری ناقص رائے میں کوئی صحیح اصول نہیں۔

ایک اور اہم عملی پہلو موجودہ حالات میں جدید کارخانوں کے قیام سے متعلق قابل غور ہے دوران جنگ میں جدید صنعتی کارخانوں کا قیام مشکل سے مشکل تر ہو گیا ہے۔ اشیاء تعمیر، مشینری گراں ہو گئی ہیں۔ مشین اول تو ملتی ہی نہیں اور ملتی بھی ہیں تو بیحد گراں مختصر یہ کہ اس وقت ایک روپیہ کی جگہ چار روپیہ خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ حیران غیر معمولی گراں مشینوں کو جنگ کے بعد دل لگا اقتصا ہے کارخانوں کے قیام میں کل جگہ میں جو مصارف ہوتے تھے ان سے کئی گنا مصارف اس وقت زیادہ ہوتے ہیں۔ ہے جنگ دوران جنگ میں کارخانوں کے منافع بھی بڑھتے ہوئے رہے لیکن اس منافع سے نہ صرف غیر معمولی ابتدائی مصارف کو برداشت کرنا ہے بلکہ ختم جنگ پر نئی مشینوں کو خریدنا بھی ہے اور پھر اتنا سرمایہ پس انداز کرنا ہے کہ ہمارے کارخانے ختم جنگ کے بعد بیرونی بیوپاری مسابقت و مقابلہ کی تاب لا سکیں۔ ہماری حکومت ان اہم مسائل اور ان کے اہم نتائج سے بے خبر نہیں ہیں۔ ماہرین معاشیات کے مشورہ سے نہایت مفید طریقے کو بروئے کار لایا جائے گا اس طرح یا لگے۔

انسداد بیروزگاری اور زراعت

زراعتی مدارس کا قیام!

حیدرآباد، ۲۰ر خورداد۔ کانفرنس فیلسائن خانہ حال میں بمقام ٹاون ہال باغ عامہ بصدارت مولوی میر احمد علی خان صاحب ایم اے ایل ایل بی انعقاد ہوئی تھی بر اختتام جنگ کا انقلاب کہ صنعت و حرفت مدارس کو قیام عمل میں لایا جائے اس سے متعلق صاحب ناظم محکمہ تعلیم دیہی نے مطلع کیا ہے کہ محکمہ اعلیٰ سررشتہ تعلیم و صنعت و حرفت میں زیر غور ہے انجمن فیلسائن خانہ نے سررشتہ تعلیمات کو بھی اس قسم میں متوجہ کیا ہے کہ جلد بعد از جنگ قائم کئے جائیں کہ بیروزگاری کا انسداد ہو سکے اور عوام زراعت کی جانب توجہ کر سکیں اس کے میں بیان کیا جاتا ہے کہ عنقریب حکومت زراعتی مدارس کے قیام کی طرف توجہ کی اور دیہی علاقوں میں زراعتی مدارس کی سکیم کو نافذ کیا جائے گا۔ (اے۔ پی)

حیدرآباد میں پست اقوام پست حالت میں نہیں ہیں

ممالک محروسہ سرکار عالی میں آدی ہندوؤں (جو پست اقوام کے نام سے بھی موسوم کی جاتی ہیں) کی تعداد (۳۹) لاکھ ہے۔ جشن سیمیں کے موقع پر ان کے پیش کردہ سپاسنامہ کے جواب میں اعلیٰحضرت بندگان عالی نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ "میری نظر میں نہ کوئی قوم ہندو پست ہے اور نہ کوئی اچھوت ہے جب تک کہ وہ نیک کردار کی حامل ہے۔ بلکہ میں سب کو بحیثیت بنی نوع ایک طرح سے برابر سمجھتا ہوں اس قوم کے افلاس اور کمی تعلیم کی وجہ سے میری گورنمنٹ کی توجہ کے وہ زیادہ مستحق ہیں بالخصوص اس لئے کہ ان کی تعداد میری ریاست میں بہت کثیر ہے۔ میں یہ سن کر خوش ہوا کہ ان کی تعلیم کی طرف توجہ کی جا رہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی تعلیمی ترقی اور فلاح و بہبود کی طرف میری گورنمنٹ بہ طور خاص توجہ کرے گی تاکہ اس گروہ کے حق میں آئندہ مفید نتائج پیدا ہوں اور موجودہ صورت حال مبدل ہو کر اس قوم کا شمار بھی دوسری اقوام کے ساتھ ہو سکے۔"

اس فرمان مبارک کی تعمیل میں حکومت نے آدی ہندوؤں کی حالت بہتر بنانے کے لئے حسب ذیل تدابیر اختیار کی ہیں۔

(۱) جبری مزدوری کو قطعاً مسدود کر دیا گیا اور ضابطہ بھگیلا کو [illegible] کیا گیا۔

(۲) اس قوم کے اراضی سے محروم مزدوروں کو زمین عطا کرنے کے لئے احکام جاری کئے گئے۔

(۳) آدی ہندوؤں کے لئے دو قسم کے مدارس قائم کئے گئے ایک تو وہ جہاں معمولی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور دوسرے وہ جہاں صنعت و دستکاری مثلاً پارچہ بافی، خیاطی، بید بافی، چرم سازی اور کھلونا سازی وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ آدی ہندوؤں کے صنعتی مدارس میں کل تربیت دینے کے واسطے جن خام اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے ان کی خریداری کے لئے بھی (۱۰۰۰۰) روپے سالانہ کی منظوری دی گئی ہے۔ طلباء سے اجرت تعلیم مطلق نہیں لی جاتی اور ان کے لئے کتابیں اور لکھنے کا سامان بھی حکومت کی جانب سے مفت فراہم کیا جاتا ہے۔ طلبا کو حصول تعلیم پر مائل کرنے کے لئے حکومت امدادات دیتی ہے اور ان کے لئے ضروری لباس بھی فراہم کرتی ہے۔ اس قوم کے جو طلباء ثانوی یا کلیاتی تعلیم حاصل کرتے ہیں انہیں معاوضہ اجرت تعلیم معاف کرنے کے علاوہ خصوصی وظائف بھی دئے جاتے ہیں۔ اضلاع کے مدارس میں بھی یہ طلبا شریک ہوتے ہیں اور جہاں ان کی تعلیم میں مناسب سہولتیں نہیں ہوتیں وہاں ان کے لئے خصوصی امدادی مدارس قائم کئے گئے ہیں۔ آدی ہندو طلبا کی تعلیمی حالت کی نگرانی کرنے کے لئے حال ہی میں ایک ناظر کا تقرر کیا گیا ہے جن کا تعلق اسی طبقہ سے ہے۔ مزید برآں آدی ہندو طلبا کے لئے خصوصی سہولتیں فراہم کرنے کی غرض سے سال رواں کے موازنہ میں ایک لاکھ روپے کی رقم مختص کر دی گئی ہے اور ان کے لئے جو خصوصی مدارس قائم کئے گئے ہیں ان میں اسی قوم کے استادوں کو مقرر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

پست اقوام کے لئے (۵۰۷) خصوصی مدارس قائم ہیں جن کے سالانہ مصارف کی مقدار (۱,۵۰,۰۰۰) روپے ہے اور مختلف اقسام کے مدارس میں پست اقوام کے گیارہ ہزار طلبا زیر تعلیم ہیں۔ حکومت نے ہریجن ہاسٹل کے لئے بھی (۱۰۰۰) روپے سالانہ کی امداد منظور کی ہے۔ یہ ہاسٹل آدی ہندو لیگ نے شہر حیدرآباد میں قائم کیا ہے۔

سرکاری ملازمتوں میں پست اقوام کے خلاف کوئی تفریق جائز نہیں رکھی جاتی ہے اور اس حکمت عملی کے باعث آدی ہندو فرقہ کے متعدد افراد کو نظم و نسق میں مناسب جگہ مل گئی ہے۔

حکومت سرکار عالی کے محکمہ مالگزاری نے پٹے کے جو نئے ضوابط مرتب کئے ہیں ان سے استفادہ کرنے والوں میں ہریجنوں کو بھی شامل کیا ہے۔ چنانچہ اس طبقہ کے افراد دوسرے طبقوں کی طرح مذکورہ ضوابط کے تحت اراضی حاصل کر سکتے ہیں۔

محکمہ صنعت و تجارت اور محکمہ تنظیم دیہی دیہاتی آبادی کے فائدہ کے لئے گھریلو صنعتوں کو باقاعدہ طور پر ترقی دینے میں کوشاں ہیں اور چونکہ دیہی آبادی میں ہریجنوں کی تعداد بہت کافی ہے اس لئے انہیں ان کوششوں سے بہت فائدہ پہونچے گا۔

محکمہ تعمیرات عامہ، مجلس بلدیہ، آرائش بلدہ، محکمہ ڈرینج اور مقامی مجالس اضلاع کے سرکاری گشتی وردوں کی فہرست میں بھی طبقہ ہریجن کے متعدد افراد کے نام شامل ہیں۔

مجلس آرائش بلدہ اور مجلس بلدیہ نے شہر حیدرآباد اور اس کے گرد و نواح میں متعدد نو آبادیاں قائم کی ہیں جہاں ایسے غریب اشخاص آباد کئے جاتے ہیں جو زیادہ کرایہ نہیں دے سکتے۔ ان نو آبادیوں کے مکانات کا ماہانہ کرایہ ایک روپیہ سے لے کر دو روپیہ تک ہے اور مذہب و طبقہ کے کسی امتیاز کے بغیر یہ مکانات غربا کو کرایہ پر دئے جاتے ہیں۔

دستوری اصلاحات کی نئی اسکیم میں حکومت سرکار عالی نے مجلس وضع قوانین کی پانچ نشستیں ہریجن طبقہ کے اراکین کو نامزد کرنے کے لئے مختص کر دی ہیں۔ اس کے علاوہ اس مجلس میں مزدوروں کی بھی نمائندگی ہوگی اور ممکن ہے کہ یہ بعض نشستیں بھی پست اقوام حاصل کر لیں۔ مزید براں مجلس وضع قوانین کی عام ہندو نشستوں کے لئے بھی پست اقوام کے اراکین انتخاب کے لئے امیدوار ہو سکتے ہیں۔

حکومت سرکار عالی نے حال ہی میں آئینی مشاورتی مجالس کے اراکین کا اعلان کیا ہے اور ان میں سے اہم ترین مجالس یعنی مجلس مالیات، مجلس امور مذہبی اور مجلس تعلیمی میں طبقہ ہریجن کے اراکین نامزد کئے گئے ہیں۔

مجلس بلدیہ کے سرکاری نامزد کردہ اراکین میں طبقہ ہریجن کا ایک رکن بھی شامل ہے۔

چونکہ حکومت سرکار عالی کسی قسم کے مذہبی معاملوں میں کوئی مداخلت نہیں کرتی اس لئے وہ چھوت چھات کو ختم کرنے کے لئے قانون سازی میں پیش قدمی کرنے سے محترز رہی ہے لیکن یہ فرض کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ خود طبقہ ہریجن جس کے نمائندے مجلس وضع قوانین میں بھی شامل ہوں گے، اور دوسرے طبقوں کے صلاح و مشورے سے اپنی مرضی کے مطابق سماجی اصلاح کرنے کی غرض سے مناسب قوانین کے مسودے پیش نہ کریں گے۔

شکر کی قلت اور فراہمی میں دشواریاں

نئے ناظم اغذیہ و رسد کا بیان

حیدرآباد ۱۷ اپریل۔ مولوی فرحت اللہ صاحب افسر تحویل محکمہ [illegible] نے آج معتمد نظامت اغذیہ و رسد کا جائزہ حاصل کیا ہے۔

شکر کی موجودہ طلب و رسد کے موضوع پر ایسوسی ایٹیڈ پریس کے نمائندے سے گفتگو کے دوران میں کہا کہ گورنمنٹ ہند کو شکر کی پیداوار اور شکر اس سال دو ماہ کی حد تک مجموعی رسد کے نقطۂ نظر سے کم ہوئی ہے۔ ارباب متعلقہ نے حکومت ہند سے خواہش کی تھی کہ وہ اس کمی کی تلافی کر دے لیکن انہیں اس مساعی میں کامیابی نہیں ہوئی۔

انہوں نے کہا کہ خیر تجارتی فروشوں کی رسد کو پچاس فیصد گھٹا دیا گیا اور تاجر شکر پر فروخت کرنے والوں کو شکر نہیں دی گئی۔ البتہ ہوٹل اور مٹھائی وغیرہ کے کارخانوں کو ایک قلیل مقدار دی گئی ہے۔

سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے مولوی فرحت اللہ صاحب نے کہا کہ حیدرآباد میں حالت ابھی بہت اچھی حالت ہے۔ وہاں تو شکر کی عدم دستیابی کی وجہ تیس فیصد سے زائد ہوٹلیں بند ہو گئیں۔

مالکان ہوٹل کے مطالبات کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر فرحت اللہ نے کہا کہ ۱۰ اپریل میں مالکان ہوٹل کو (۴۰۰) تھیلے شکر دی گئی جو سکندرآباد کی معینہ رسد (۵۰۰) تھیلوں کا لحاظ کرتے نہایت موزوں ہے کیونکہ سکندرآباد کی آبادی تقریباً ایک لاکھ سے زائد ہے۔

مولوی فرحت اللہ صاحب نے اس کا انکشاف کیا کہ شکر کی موجودہ دوکانیں تعداد میں کم ہیں اس لئے بآسانی شکر فراہمی کے مقصد سے دوکانوں میں مزید اضافہ زیر غور ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے رضاکار امداد کے لئے رضاکار اداروں کے تعاون [illegible]

جامعہ عثمانیہ اور حیدرآبادی نوجوان

بسلسلۂ صفحۂ اول

کئی برس گزر گئے اور حیدرآباد کا وہ مبارک دور شروع ہوا، جس میں سانس لینے والے ایک دردمند شخص نے کہا تھا "اے حیدرآباد تیری تقدیر میں ہندوستان کی قیادت جلی حروف سے لکھی گئی ہے"۔

جب مرحوم سر اکبر نے اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے سلسلے میں عرض داشت گزرانی تو اعلیٰحضرت بندگانِ عالی کو وہ جدت آفرین فرمان ہوا تھا جس کو پڑھنے کی سعادت حاصل کرکے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس جامعہ کے قیام کا مقصد نہ صرف مشترکہ تہذیب کی بقاء ہے بلکہ مشرقی اور مغربی علوم کی وہ ہم آہنگی ہے جو قدامت کی بہتری کو فنا کرتی ہے اور تجدد کی لعنتوں کو مسلط کرتی ہے۔ یہ جامعہ ذہن اور کردار کی تعمیر کے لئے ایک نشانِ راہ کے طور پر قائم ہوئی۔ اس طرح سلطان العلوم کے اقبال سے ایک ایسا عظیم الشان تجربہ شروع ہوا جسے بعض لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے بعض لوگوں کے نزدیک یہ ایک حباب تھا جو موجوں کے ایک دھکے سے غائب ہو جائے گا۔ بعض لوگ تو اس کا مذاق اڑاتے تھے لیکن جن کی نگاہیں بلند تھیں وہ محسوس کر رہے تھے کہ شبنم کی یہ بوند آخر میں ایک گوہر شہوار بننے والی ہے۔ آج جبکہ اس جامعہ کو قائم ہوئے پچیس سال ہو رہے ہیں حیدرآباد اپنی کامیابی پر نازاں ہے اور سارا ہندوستان اسی تجربے کو آزمانے کی طرف مائل نظر آتا ہے چنانچہ علی گڑھ، الہ آباد اور مدراس میں ایسی ہی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔

شعور کی بیداری

یہ تو ظاہر ہے کہ تعلیم سب کچھ نہیں۔ بلکہ تعلیم ایک دروازہ ہے جو ایک محدود دنیا سے ایک وسیع دنیا کی طرف لے جاتا ہے۔ تعلیم اس دروازے کے پاس ختم ہو جاتی ہے اور طالب علم کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ اس دروازے سے ہو کر گزرے۔ طالب علم کا کام ہے کہ وہ دروازہ کی چوکھٹ پر بیٹھ جائے یا کچھ دور چل کر تھک جائے یا پھر اس وسیع دنیا میں بقدر ہمت بڑھتا چلا جائے جو لامحدود ہے۔ تعلیم شعور اور ذہنیت کو بیدار کرتی ہے۔ جو طالب علم اصطلاحات اور اسناد کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں ان میں ذوقِ جستجو ہوتا ہے اور نہ ان کا شعور نمو پاتا ہے۔ غیر زبانوں میں جو تعلیم حاصل کی جاتی ہے اس میں یہی دقت ہے۔ طالب علم کو نہ صرف علم کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے بلکہ وہ اس زبان کی حیثیت کو بھی اپنانے میں مصروف رہتا ہے۔ وہ علم سے زیادہ علم کی اصطلاحوں میں الجھ جاتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا اور نہ مجھے یہ کہنا چاہیئے کہ جن اصحاب نے غیر زبانوں میں تعلیم حاصل کی وہ علم سے بے بہرہ ہیں بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ اگر ان اصحاب نے اردو زبان میں تعلیم پائی ہوتی تو ان کی دماغی صلاحیتوں کو ابھرنے میں زیادہ دقت نہ ہوتی۔ مادری زبان ذہن و شعور کو بیدار کرنے میں علم کے ذریعے راست مدد دیتی ہے اور طالب علم کی توجہ کو اپنی طرف نہیں بٹاتی۔

اب میں گفتگو کی اس منزل پر پہنچ چکا ہوں جہاں مجھے آپ کو یہ بتانا ہے کہ ایک ایسی زبان کو ذریعہ تعلیم بنا کر جسے ہم سب بولتے اور سمجھتے ہیں جامعہ عثمانیہ نے حیدرآبادی نوجوانوں میں ایک شعور پیدا کر دیا ہے۔ آج کا حیدرآباد نہ صرف نظم و نسق کی کامیاب تنظیم کا حیدرآباد ہے نہ عظیم الشان عمارتوں صاف ستھری اور چوڑی سیدھی سڑکوں اور بڑے بڑے تالابوں کا حیدرآباد ہے بلکہ نوجوانوں کے ذہن و شعور کی بیداری کا حیدرآباد ہے۔

کسی ملک اور کسی قوم کا سرمایہ اصل میں اس کے نوجوان ہوتے ہیں اس لئے کہ نوجوانوں ہی پر مستقبل کا انحصار ہوتا ہے۔ جس ملک اور جس قوم میں نوجوانوں کو آگے بڑھنے کا موقع نہیں ملتا وہ قوم بوڑھوں کے ہاتھوں بوڑھی ہو جاتی ہے۔ اقبال نے جو مشرق کے بڑے مفکر گذرے ہیں یہی محسوس کیا تھا کہ ہمارے نوجوانوں میں زندگی نہیں ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ امامت کی قیادت نوجوانوں کو سونپ دی جائے۔

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے ۔ مرا عشق میری نظر بخش دے
امنگیں مری جستجوئیں مری ۔ امیدیں مری آرزوئیں مری
یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر ۔ اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے ۔ لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

اقبال کی یہی تمنا جامعہ عثمانیہ نوجوانوں کو عطا کرنا چاہتی ہے۔

جب میں "انسانیت" کہتا ہوں تو میرے کانوں میں اعلیٰحضرت بندگانِ عالی کے وہ الفاظ گونجتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا "میری نگاہ میں کوئی پست ہے اور نہ بلند" یہ ہے انسانیت کا صحیح تصور۔ انسانیت رنگ اور نسل، پستی اور بلندی اور اسی قسم کے فرضی امتیازات میں نہیں بٹ سکتی۔ بلکہ انسانیت کی سطح ایک ہی ہے۔ اس سطح پر جو بلند ہوتا ہے وہ بھی اسی سطح پر رہتا ہے اور اس سطح سے جو گرتا ہے وہ بھی اسی سطح پر نظر آتا ہے۔

قومیت یا فرقہ واریت انسانیت کے دو ٹکڑے نہیں کر سکتی۔ یہی اصول جامعہ عثمانیہ کا اصول رہا ہے جس کے عظیم الشان بانی نے فرمایا تھا "خادمِ خلق اللہ ہونا میرا طرۂ امتیاز رہے"۔ اعلیٰحضرت کے ان اعلیٰ احساسات کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے مبارک ہاتھوں سے بنائی ہوئی جامعہ کے فرزند ایک ایسے ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں وہ سب کچھ ہے جسے باقی ہندوستان نے کھو دیا ہے۔

تمدنی ہم آہنگی

اڈکمیٹ کی پرفضا وسعتوں میں جب ہم جامعہ عثمانیہ کی عمارتوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ ایک نظر محسوس ہوتا ہے کہ یہی اس تہذیب کی پیداوار ہیں جسے پہلے ہندوستانی تہذیب اور اب دکنی تہذیب کہا جاتا ہے۔ ان عمارتوں کی تعمیر کاری میں ہندو فنِ تعمیر اور مسلم فنِ معماری کو اس طرح سمویا گیا ہے کہ وہ دو بڑی قوموں کے اتحاد کا آئینہ بن گئی ہیں۔ ان عمارتوں میں اپنے مستقبل کی تعمیر کرنے والوں کے دل جس طرح ارضی تعصبات سے پاک ہیں اسی طرح یہ عمارتیں بھی تعصب سے مبرا ہیں۔ اس حیدرآباد میں جہاں ناقوس اور اذان ایک ہی مقام سے بلند ہوتی ہو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہاں آپ کو ایک ایسا مقام ملے گا جہاں مسجد کے بازو مندر بھی ہے۔ مسجد میں نمازی اور مندر میں پجاری اپنے اپنے مذہبی فرائض انجام دیتے ہیں اور برسوں سے دیتے آرہے ہیں۔ ان میں نہ باجے پر جھگڑا ہوتا ہے نہ پیپل کے درخت پر جنگ۔ یہ وہ حیدرآباد ہے جہاں کی حکومت مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک نظر سے دیکھتی ہے۔ کشن باغ کی دیول کو جاری سرکار سے کئی ہزار امداد ملتی ہے۔ اور آپ کو حیرت ہوگی کہ اس دیول کے مہنت جو اس کی جائداد سے مستفید ہوتے ہیں ایک درگاہ کا نہایت عقیدت سے ہر سال عرس بھی کرتے ہیں۔ وہاں کے یہ سنبندھ ٹوٹ نہیں سکتے۔ اصلی حیدرآباد عمارتوں کے بلند میناروں اور تالابوں کی اٹھتی ہوئی موجوں میں نہیں بلکہ حیدرآبادیوں کے دلوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

حیدرآباد کی عظمت اس کی آرائش اور اس کی مادی ترقی میں نہیں بلکہ اس کے اس شعور میں پوشیدہ ہے جو انسانیت کے احترام کا جذبہ رکھتا ہے اور جامعہ عثمانیہ اسی جذبہ کا ایک عملی ثبوت ہے۔ اس کے طالب علموں کی اودی شیروانیوں میں وہ تہذیب پرورش پا رہی ہے جو ہندوستان میں روندی جا رہی ہے۔ حال ہی میں جب ہندوستان ایک سیزن فرقہ واریت کا شکار تھا ہندوستان کے ہر حصے کے نوجوان ایک عجیب جذباتی ہیجان اور ایک افسوسناک جنون میں مبتلا ہو گئے تھے یہ حیدرآباد کا نوجوان تھا جس نے شرارت پسند لوگوں کے اکسانے کے باوجود کوئی ایسی حرکت نہیں کی جو اس کی انسانیت پسندی اور اس کی عزت نفس کے منافی ہوتی ہے۔ حیدرآباد کا نوجوان ہندوستان کے دوسرے حصوں کے نوجوانوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کو حیدرآباد نے سکھایا کہ امن سب سے بڑی دولت ہے اس لئے کہ یہ مرغوبِ امن و امان ہے۔

سیاسی دیوانوں کا وہ جوش جس نے ان سے انسانیت کا مقام چھین لیا تھا رفتہ رفتہ کم ہو گیا اور اب ان میں ایک تھکی ہوئی پشیمانی کے سوا کچھ نہیں لیکن حیدرآباد کے نوجوان کو پشیمان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس نے اپنے مدرسے اور کالج میں سکون کے ساتھ اپنی تعلیم جاری رکھی اور اپنے مستقبل کو تباہ نہیں کیا اور جب والسرائے بہادر نے اعلیٰحضرت کو مبارکباد بھی دی کہ ان سخت دنوں میں جامعہ عثمانیہ کا سکون قابل مبارکباد ہے تو سارے ہندوستان نے محسوس کیا ہوگا کہ ایک بڑے اضطراب کے موقع پر حیدرآبادی نوجوان کے شعور نے پھر ایک دفعہ صحیح رہنمائی کی۔

آج آپ محسوس کریں گے کہ حیدرآباد کے ہر شعبۂ حیات میں حیدرآباد کے نوجوان آگے بڑھ رہے ہیں۔ حیدرآباد کی فوجوں کے سپہ سالار اعظم والا شان پرنس آف برار ہیں۔ جن کی قیادت میں حیدرآباد امن اور انسانیت کے تحفظ کا حق ادا کر رہا ہے۔ اپنے ہر دلعزیز فرماں روا اور اپنے جواں بخت شہزادے کے ساتھ حیدرآباد کا ہر نوجوان ہمارے ساتھ ذہنی اور عملی طور پر ہے۔ جہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ

آبادی نوجون کے اس جوان پر سالانہ جامعہ عثمانیہ کی اعزازی ڈگری قبول نہ کر کے تعلق ہے حیدرآبادی نوجوانوں کو چیلنج کر دیا ہے۔ اور جب علی حضرت کے فرماتے ہوئے وہ الفاظ کہ جامعہ عثمانیہ مجھے عزیز ہے یاد آتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو اور بھی سربلند پاتے ہیں۔ اس پس منظر میں جب کہ حیدرآبادی نوجوان دیکھتے ہیں تو مجھے بھی کہنا پڑتا ہے کہ ۱۹۴۳ء سے حیدرآباد کی تقدیر کیا ہندوستان کی قیادت بھی حرکت میں دکھائی دیتی ہے۔

پبلک کارکنوں کے مشاغل

ڈاکٹر جیسوریا نائب صدر سالانہ آندھرا کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے صدر اور مسٹر نارائن ریڈی معتمد مجلس استقبالیہ نے ایک اپیل جاری کی ہے ان کے ساتھ تعاون کیا جائے اور کانفرنس کو کامیاب بنایا جائے۔

معتمد آریہ سماج حیدرآباد کی اطلاع ہے کہ سٹی سیشن ہفتہ میں آریہ سماج حیدرآباد کی طلائی جوبلی نہایت وسیع پیمانہ پر منانے کی تیاری جاری ہیں۔

دسویں آندھرا کانفرنس کے سالانہ اجلاس ماہ اپریل کو ہوں گے اس سال صدارت کے لئے مسٹر کنڈا وینکٹ رنگا ریڈی اور مسٹر بی یلا ریڈی امیدوار ہیں۔

نظام آباد ہندو کانفرنس ۲۵ اور ۳۰ اپریل کو منعقد ہوگی۔

ہندو پرجا منڈل کے زیر اہتمام جون کے پہلے ہفتہ میں آندھرا پردیش ہندوؤں کی کانفرنس منعقد ہوگی۔

پنڈت ونائک راؤ اور مسٹر نیندر وغیرہ جو آریہ کانفرنس کی شرکت کے لئے نظام آباد گئے تھے واپس آ گئے۔

آریہ کانفرنس نظام آباد نے ایک قرارداد میں طے کیا ہے کہ مختلف ذاتوں کے بجائے صرف چار ذات تو ضرورت ہے ذاتوں کو ان میں ختم کر دیا جائے۔ دوسری قرارداد میں آریہ سماجیوں کو مدارس اور کلیات قائم کرنے کی اجازت چاہی گئی ہے۔ تیسری قرارداد میں جو پاکستان کے خلاف ہے بیان کیا گیا ہے کہ ہندوستان ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے۔ چوتھی قرارداد میں ہندی کو لازمی قرار دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ایک قرارداد میں یہ طے کیا گیا ہے کہ

آریہ سماج سیاسی و قومی ادارہ ہے۔ ایک اور قرارداد میں حکومت سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ آریہ سماج مندر کی تعمیر میں مدد دے۔

مقامی ہندو پرجا منڈل کے نام صدر ہندو مہاسبھا (ممتاز) ورکنگ کمیٹی آریہ سارودیشک سبھا دہلی نے ایک پیام روانہ کیا ہے جس میں حیدرآباد کے تمام ہندو اداروں سے کامل تعاون عمل کی خواہش کی گئی ہے اور ایک لاکھ روپے کی اپیل کو کامیاب بنانے پر زور دیا گیا ہے۔

مہاراشٹرا پریشد اورنگ آباد کی سالانہ میقات کی بنیاد ہو رہی ہیں اورنگ آباد میں اس کی تیاری کا کام شروع ہو گیا ہے اور گھر گھر جا کر پریشد کے اغراض و مقاصد و پروگرام کو عوام تک پہنچایا جا رہا ہے۔

مسٹر ساورکر صدر ہندو مہاسبھا کی ۶۱ ویں سالگرہ حیدرآباد میں منائی جائے گی اور ایک لاکھ روپے کی تھیلی پیش کی جائے گی۔

مسٹر جوشی معتمد ہندو پرجا منڈل کی رہائی کی درخواست کرنے کے لئے پرجا منڈل کا ایک وفد نواب صدر اعظم بہادر کی خدمت میں حاضر ہونے والا ہے۔

مولوی بہادر خان صاحب جو ریاستی مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ کی شرکت کی غرض سے دہلی گئے تھے۔ ۲۳ مورخہ کو حیدرآباد واپس ہوئے۔

بحر الکاہل کی لڑائی

جاپانیوں کے زبردست نقصانات

ملبورن ۱۹ مارچ۔ یہاں کے ایک نامہ نگار کا بیان ہے کہ گزشتہ ۱۵ دن میں ہوائی حملوں کے نتیجے کے طور پر جو جاپانی نقصانات ہوئے ان کی تعداد اتحادیوں کے ان نقصانات کے مقابلہ میں دس گنی زیادہ ہے۔ جو کہ جنیم کے ہوائی حملوں سے پہونچے ہیں۔ ۱۳ مارچ تک اتحادی طیاروں نے ۲۰۱ علحدہ علحدہ حملوں میں ۱۹۰ ہزار ٹن وزنی جاپانی جہازوں کو غرقاب کیا۔ اور نقصان پہونچایا۔ ۱۰۱ ہزار ٹن وزنی جہازوں کے متعلق توقع ہوتی ہے کہ یا تو غرقاب ہوئے یا تباہ کئے گئے۔ ہمارے طیاروں نے بوگنی اور تیمور سے جاپانی مراکز پر جو حملے کئے ان میں ... ۱۹ ستمبر پٹیا کینیڈا کے طیارہ بان سے جو بحر الکاہل میں ممالک متحدہ امریکہ کے جزائر میں کام کر رہے ہیں ہیوش پر حملہ کرنے کی خاطر روانہ ہوئے تھے۔ میں جاپانی تنصیبات پر حملہ کیا گیا۔ اس امر کا اعلان کرتے ہوئے مشترکہ بحریہ کے ایک اعلان میں بتایا گیا ہے کہ ستمبر ۱۹۴۳ء کے بعد سے مکس کے پر حملہ کیا گیا اس واقعہ میں دو دشمنوں کے طیارے ... (رائٹر)

۲۰ مارچ۔ بحر الکاہل کی کارروائیوں میں حصہ لے رہے ہیں۔ اسی اثنا میں جمادی اور ... کے امریکی طیاروں نے مکس پر مزید ۱۰۰ ٹن بم گرائے اور جنوبی بحر الکاہل میں انھوں کا پیل اور ولاکے جاپانی تنصیبات پر حملہ کیا۔ (رائٹر)

اتحادیوں کی لگاتار پیش قدمی

لندن ۔ ۲۰ اپریل ۔ جنرل آئزن ہاور نے اطلاع دی ہے کہ کل تیونیشیا میں اتحادی سپاہیوں نے باقاعدگی کے ساتھ لگاتار پیش قدمی کی۔ محاذ بھی محاذ پر مجیس الباب کے منطقہ میں شدید لڑائی ہوتی رہی سارے دن حملوں کے بعد جوابی حملے ہوتے رہے مالک متحدہ امریکہ کی دوسری کور کے سپاہیوں نے پہاڑیوں میں اچھی ترقی کی فرانسیسی سپاہی جو پانٹ ڈی فاس کے علاقہ میں لڑ رہے ہیں گزشتہ تین دن سے زیادہ (۱۵) میل کی پیش قدمی کرتے ہوئے نہایت دشوار گزار علاقہ میں قابل لحاظ پیش قدمی کی آٹھویں فوج کے علاوہ گردو دستوں سے ربط قائم رکھا گیا

ہمارے فضائی جارحانہ اقدام کی طرف رجوع ہوتے ہوئے کیونکہ میں مزید بیان کیا گیا ہے کہ کل اوسط درجہ کے اور ہلکے بمباروں اور لڑاکو بمباروں نے ایک شدید سرگرمی کے دن دشمن کے سپاہیوں کے اجتماعات پر توپ کی پوزیشنوں اور ہاربرل اور جل وغیرہ پر زبردست حملے برقرار رکھے کئی نشانوں پر راست ضربیں لگائی گئیں اور آتشزدگیاں ہوئیں لڑاکو طیاروں نے میدان جنگ پر علاوہ گردکار روائیوں اور جارحانہ حملے جاری رکھے دوشنبہ کی شب میں ہلکے بمباروں نے تیونیسیا میں ایک اہم طیران گاہ پر دھاوا کیا اٹلی تعلقوں نے کل سارڈینیا میں ایک طیران گاہ پر حملہ کیا سارے نشانہ کا علاقہ بموں کے پھٹنے سے بھرا ہوا اور طیارہ گاہ کی عمارتوں پر راست ضربیں لگائی گئیں۔ دن میں دشمن کے تین طیاروں کو مار گرایا گیا دوشنبہ کی شب میں دشمن کے (۱۵) طیارے تباہ کئے گئے ان تمام کارروائیوں سے ہمارے دو طیارے لاپتہ ہیں لیکن معلوم ہوا ہے کہ ایک کے طیارہ ران صحیح و سالم آ گئے ہیں اس امر کی بھی اطلاع دی گئی ہے کہ ہمارے چھوٹے جہازوں نے ایک دلیرانہ کام کیا ہمارے ہلکے ساحلی دستوں نے یکشنبہ کی شب میں تیونس میں کارروائی کرتے ہوئے جرمنوں کے دو پیٹرول بردار جہازوں کو غرقاب کیا اس کے بعد دوسرے دن شب میں بزرتا کے پرے ایک چھوٹے تجارتی جہاز کو غرقاب کیا گیا۔

کل تیونیشیا کی لڑائی پر تبصرہ کرتے ہوئے تیونیشیا کے ایک نامہ نگار نے بیان کیا کہ " سارے محاذ کے ساتھ ساتھ دوبارہ مہیب ترین مقاومت کی گئی لیکن جوں جوں سپاہیوں نے آگے بڑھنے کا مصمم ارادہ کیا اور چونکہ کارروائی شروع ہو چکی ہے لہذا دشمنوں نے ہر دن کسی نہ کسی کامیابی کے حاصل کرنے میں کسی نہ کسی طرح سے کل کسی دن بھی کوئی ہستی داخل ہوتا روز بروز صاف ہوتا جا رہا ہے کہ محوری مقاومت کتنی ہی خطرناک اور شدید ہو لیکن عظیم روس دباؤ کا زیادہ دن تک سامنا نہیں کر سکتا۔

مسٹر جناح کے خطبہ صدارت پر اخبارات کے تبصرے

انگریزی روزنامہ "ہندوستان سٹینڈرڈ" نے پاکستان کے زیر عنوان ایک اداریہ سپرد قلم کیا ہے جس کے دوران میں وہ لکھتا ہے کہ تقاضائے تدبر تو یہ ہے کہ اس مسئلہ کو قومی نقطہ نظر سے جانچا جائے۔ خواہ یہ درست ہو یا نادرست ۔ موجودہ طرز حکومت کے آئینہ میں ملت اسلامیہ ہند اپنے مستقبل کو کچھ تاریک پاتی ہے۔ اب یہ دوسروں کا کام ہے کہ اس آئینہ سے اسی گرد کو صاف کریں اور مسلمانوں کے دل سے ایسے خوف کو نکال دیں۔ اخبار یہ ثابت کرتا ہے کہ ان کے خوف محض غلط فہمیوں کا نتیجہ ہیں۔ اب کی بار مسلم لیگ نے حصول مقصد کا غیر مبہم اعلان کر دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اور کوئی چیز انہیں مطمئن نہیں کر سکتی تو کوئی کیوں ان کی راہ میں حائل ہو؟ مسلم اکثریتی صوبہ جات میں غیر مسلم کوئی انتہائی اقلیتی تعداد میں تو ہیں نہیں۔ وہ خود اپنے معاملات کو آپ سلجھا لیں گے۔

انگریزی روزنامہ "ہندو" مدراس نے لکھا ہے کہ ملک کے دو بنیادی اقوام کو ایک سلک میں منسلک کرنے کی جو تڑپ مسٹر جناح کے دل میں ہمیشہ موجود رہی اور ہے ان کی تازہ تقریر سے اس کی بھی شہادتیں ملتی ہیں۔ اسی بات پر مسٹر جناح نے جو زیادہ زور دیا ہے کہ ہم اس سے بڑا اطمینان حاصل ہو۔

اس اداریہ کے دوران میں اخبار مذکور نے یہ دلائل پیش کئے ہیں کہ یہ ثابت کیا ہے کہ مسٹر جناح یا پاکستان کے حقائق پر اصرار کرتے ہیں کہ مذہب پر مسٹر جناح کو کامل یقین رکھنا چاہئے کہ شخص اس لئے دوسری اقوام کے لاکھوں ارکان کی ان کو تائید حاصل رہے گی۔ دوسروں سے وہ جس چیز کے مستحق ہیں اگر وہ خود بھی اس پر آمادہ ہو جائیں تو وہ دیکھیں گے کہ غیر مسلم افراد کی اکثریت ان کے ساتھ ہوگی۔ اداریہ کے ختم پر اخبار مذکور نے قائد اعظم سے اپیل کی ہے کہ وہ حالات حاضرہ کا جائزہ لیں اور سیاست سے بلند نظر کریں۔ آج جب کہ ملک مدبرین کی رہنمائی کا منتظر ہے مسٹر گاندھی کو دعوت مفاہمت دینے میں وہ پہل کریں۔

شیعہ فرقہ کا ترجمان اردو روزنامہ "سرفراز" جس نے آج تک کوئی اظہار خیال نہیں کیا حالیہ خطبہ کو مسٹر جناح کے اعلیٰ تدبر کی علامت بتلاتے ہوئے ان کے مفاہمتی جذبہ کو خراج تحسین ادا کرتا ہے۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ "مسٹر جناح کا خطبہ ملک کے لئے بیحد مفید ثابت ہوگا"

حیدرآباد میں پارچہ دار کی ... مطبع ... باہتمام ... شائع ہوا۔